# عراقی حزب مخالف کی سرپرستی---احتیاط کی ضرورت

ڈینیل بائی مین *

تلخیص: ڈاکٹر فخرالاسلام

آٹھ سال تک عراق کی تحدید یا محاصرہ (containment) جاری رکھنے کے بعد کلنٹن انتظامیہ نے بغداد حکومت کے خاتمے کے لیے وہاں کی حزب مخالف کی حمایت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ صدر کلنٹن نے یہ عندیہ نومبر ۱۹۹۸ء میں دیا۔ ادھر قومی سلامتی کے مشیر سیموئیل برجر نے صدر کی نئی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ایسا اس لیے ضروری ہے کہ ایک تو تحدید زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکتی اور دوسرا صدام حسین کا برسراقتدار رہنا امریکی مفاد کے خلاف ہے۔ اس کام کی نگرانی کے لیے فرینک رسیارڈون (Frank Ricciardone) کو نمائندہ مقرر کیا گیا ہے۔

''تحدید اور تبدیلی'' کی پالیسیاں متوازی طور پر جاری رکھنے میں کئی خطرات پوشیدہ ہیں۔ حزب مخالف کے اس نئے کردار کے عراق کے مستقبل پر جو اثرات مرتب ہوں گے امریکی پالیسی سازوں کو اس کا اندازہ آج ہی ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں تھوڑی سی بے احتیاطی سے تحدید کو ناقابل تلافی نقصان اور صدام حسین کو بے پناہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلنٹن انتظامیہ اور عراقی اپوزیشن اس نئی پالیسی کے پیش آمدہ نتائج سے کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ حزب مخالف صدام حسین کے زوال کا عندیہ تو دے رہی ہے لیکن خود ان کی صفوں میں انتشار ہے۔ ان کے پاس منصوبہ امن کا فقدان ہے اور انہیں شاید امریکہ کے عالمی اور علاقائی مفادات کا ادراک نہیں۔ نئی پالیسی سے امریکہ کی توجہ تحدید سے ہٹ جائے گی اور دوسرے مرحلے میں حزب مخالف کو مسلح تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بین الاقوامی حمایت کے حصول کی کوششیں شروع کی جائیں گی۔ امریکہ کی نئی پالیسی اپنے اندر متعدد خطرات پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔

---

* Daniel Byman, "Proceed with Caution: US Support for the Iraqi Opposition", *The Washington Quarterly*, Summer 1999, pp. 23-37

## نئی پالیسی کے فوائد

۱۹۹۸ء میں نئے امریکی قانون ''عراق لبریشن ایکٹ'' کے تحت کلنٹن انتظامیہ کو اختیار مل گیا ہے کہ وہ عراقی حزب مخالف کو فوجی ساز و سامان اور ذرائع ابلاغ بہتر بنانے کے لیے ۹۷ ملین ڈالر مہیا کرے۔ بایں ہمہ اپوزیشن کی تنظیم و تربیت پر بھی کام جاری ہے۔ نئی پالیسی کا پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ صدام حسین کی توجہ بیرونی مہم جوئی سے ہٹ کر اندرون ملک حزب مخالف پر مرکوز ہوگی اس لیے مستحکم حزب مخالف ایک تو صدام حکومت کے خلاف تحدید کو مضبوط تر کرے گی اور دوسری طرف صدام حسین کی کمزوری کا باعث ہو گی۔ اپوزیشن اگر متبادل قیادت کے طور پر منظم ہوتی ہے تو بدیہی طور پر صدام حسین کو چیلنج درپیش ہوگا۔ کلنٹن انتظامیہ اس نئی پالیسی کو ایران کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے لیے بھی استعمال کر سکتی ہے اس لیے کہ ۱۹۹۷ء میں صدر خاتمی کے انتخابات کے بعد سے ایران کے بعض رہنما واشنگٹن سے تعلق استوار کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ابھی تک کئی امور پر ایران اور امریکہ کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ المختصر عراقی اپوزیشن کی حمایت امریکہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان مسائل کو پیش نظر رکھا جائے جو اسی پالیسی کے نتیجے میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

## نئی پالیسی کے ممکنہ نقصانات

عراقی حزب مخالف کے حوالے سے نئے امریکی منصوبے کے نقصانات کا جائزہ ذیل کی سطور میں دیا جا رہا ہے۔

(الف) تحدید کو لاحق خطرات: عراقی اپوزیشن فی الحال عالمی حمایت سے محروم ہے۔ یورپی برادری حتیٰ کہ امریکہ کے مضبوط ترین حلیف برطانیہ نے حزب مخالف کو فوجی امداد دینے سے انکار کر دیا ہے۔ چین اور روس، جو عالمی سطح پر امریکی اثرات کے حوالے سے کافی حساس ہیں، نئے منصوبے کے مخالف ہیں۔ اور تو اور خود خطے کے امریکی اتحادی بھی اس پالیسی کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ اگر کویت اس منصوبے کی حمایت کرتا ہے تو ترکی اور سعودی عرب عراقی اپوزیشن کے بارے میں خاصے شاکی ہیں۔ ترکی ہر اس منصوبے کو رد کرے گا جو اس کی کرد آبادی کو مشتعل کرنے کا باعث ہو۔ سعودی عرب بذات خود شیعہ

غلبے سے خوف زدہ ہے۔ چنانچہ علاقائی اور عالمی طاقتوں کی طرف سے تحدید کی موجودہ پالیسی کمزور پڑ سکتی ہے۔ تحدید کے پانچ اجزائے ترکیبی ہیں: ۱۔ جامع اقتصادی پابندیاں ۲۔ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہتھیاروں کا معائنہ ۳۔ سفارتی تنہائی ۴۔ عراقی فوجی نقل وحرکت پر پابندی ۵۔ صدام حسین کو زک پہنچانے کے لیے کارروائیاں۔

اب اگر واشنگٹن حزب مخالف کو صدام کے خاتمے کے لیے استعمال کرتا ہے تو خود اس کے اتحادی اس پر معترض ہو سکتے ہیں۔ فرانس اور روس تحدید کے بنیادی اجزاء یعنی ہتھیاروں کے معائنے، سفارتی تنہائی اور اقتصادی پابندیوں کی مخالفت کریں گے۔ ترکی اور سعودی عرب کی مخالفت امریکہ کے لیے یوں بھی مشکلات پیدا کر سکتی ہے کیوں کہ اس وقت عراق کے خلاف کاروائیوں کے لیے امریکہ ان دو ممالک میں موجود اپنے فوجی اڈے استعمال کر رہا ہے۔ لہٰذا امریکہ تحدید کو لاحق ان خطرات کو نظر انداز نہ کرے۔ ویسے بھی تحدید پہلے سے کمزور پڑتی جا رہی ہے کیونکہ اس کے دو اجزاء یعنی اقتصادی پابندیوں اور ہتھیاروں کے معائنے پر حالیہ برسوں میں بہت کم عمل ہوا ہے۔ گزشتہ ایک سال سے اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں نے کوئی بھی معائنہ نہیں کیا۔ علاوہ ازیں روس، چین اور فرانس نے عراق پر پابندیوں کی پُرزور مذمت کی ہے۔ خطے کے ممالک بھی ان پابندیوں کی حمایت نہیں کر رہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نئی امریکی پالیسی سے تحدید کو نقصان پہنچے گا۔

**(ب) فوجی بغاوت میں رکاوٹ:** تحدید پر منفی اثرات کے ساتھ ساتھ نئی پالیسی فوجی بغاوت کے امکانات کو بھی معدوم کر رہی ہے۔ فوجی بغاوت اور عوامی یورش میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر کے ذریعے صدام حسین کے مقربین خاص (فوجی افسران، بعث پارٹی کی قیادت اور سنی اشرافیہ) خفیہ طریقے سے ان سے اقتدار چھینیں گے جبکہ موخر الذکر میں اقتدار چھیننے والے عراقی عوام ہوں گے جیسا کہ افغانستان میں مجاہدین اور جمہوریہ کانگو میں لارن کبیلا کے حامیوں نے ہزاروں جنگجوؤں اور لاکھوں دیگر حامیوں کی مدد سے اپنی تحریکوں کو آگے بڑھایا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فوجی بغاوت اچانک برپا ہوتی ہے جبکہ عوامی تحریک کو مقصد کے حصول میں سال بلکہ عشرے لگ سکتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کی خواہش اب بھی یہی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے صدام کا جلدی خاتمہ ہو۔ سی آئی اے نے بارہا اس مقصد کے لیے فوجی افسران

کی حوصلہ افزائی بھی کی لیکن جیسا کہ پہلے بتایا گیا اپوزیشن کی حمایت والے منصوبے سے بغاوت کے امکانات کم ہوں گے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عوامی انقلاب کے نتیجے میں سابق حکمران طبقہ ہی نہیں ان کے خاندان بھی عوامی غیظ وغضب کا نشانہ بنتے ہیں یہی وہ خوف ہے جس نے موثر افراد کو صدام حسین کے گرد جمع کر رکھا ہے اور عراقی صدر اسی خوف کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

پیش آمدہ مشکلات: عراقی حزب مخالف کی کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں امریکہ کے لیے آزمائش کھڑی ہوسکتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں خود امریکی رائے عامہ کی طرف سے تنقید وملامت میں اضافہ ہوگا جبکہ خطے میں امریکی ساکھ بری طرح متاثر ہوگی جس سے صدر صدام حسین کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اس نے ایک اور امریکی منصوبے کو ناکامی سے دوچار کر دیا۔ اگر بالفرض محال حزب مخالف کو جزوی کامیابی حاصل ہوتی ہے یعنی وہ عراق کے کچھ حصوں پر قابض ہو جاتی ہے تو اس سے صدر صدام حسین کو دھچکا ضرور لگے گا لیکن امریکہ کے لیے بھی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ اس قسم کی صورت حال میں عراقی قیادت متحد ہوگی اور ان پر صدام حسین کی گرفت مضبوط ہوگی۔ دوسرا یہ کہ جزوی کامیابی کے بعد ترکی اور سعودی عرب اپنے مفادات کی روشنی میں عراقی اپوزیشن کو استعمال کریں گے۔ ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا امریکہ عراقی اپوزیشن کو صدام حسین کی ممکنہ جوابی کاروائی سے بچا سکتا ہے؟ ۱۹۹۶ء میں عراقی صدر نے کردوں کو جس طرح کچل دیا تھا کیا وہ عمل اب بھی دہرایا جا سکتا ہے؟ امریکہ کا المیہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی اپوزیشن کی حمایت کر رہا ہے جو صدام حسین کو ہراساں تو کر سکتی ہے لیکن انہیں شکست دینے کی صلاحیت سے عاری ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عراقی اپوزیشن مکمل کامیابی حاصل کرے یہ صورت امریکہ کے لیے مفید ہو گی لیکن ایسا ہونے کے باوجود متعدد چیلنج درپیش ہوں گے جن پر امریکہ کو غور کرنا ہوگا۔ مثلاً دیکھنا یہ ہوگا کہ اپوزیشن جو حکومت بنائے گی وہ کس قدر جمہوری اقدار اور اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کرے گی۔ امکان یہ بھی ہے کہ کامیابی کے بعد خود اپوزیشن کی صفوں میں انتشار پیدا ہوسکتا ہے اس لیے کہ ان کے پاس فی الحال کوئی ایسا قد آور لیڈر نہیں جو صدام حسین کی جگہ لے سکے۔ بعینہ یہی صورت حال افغانستان میں پیدا ہوئی جہاں مشترکہ دشمن (سوویت یونین) کے مقابلے میں لسانی، قبائلی اور مذہبی اختلافات دبے رہے

لیکن کامیابی کے بعد ان سب بلاؤں نے سر اٹھایا۔ عراقی اپوزیشن کی کامیابی کے بعد صدام حسین آخری حربے کے طور پر کیمیائی ہتھیار بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اگرچہ تحدید کی پالیسی کے نتیجے میں ان کی یہ صلاحیت کمزور پڑ گئی ہے لیکن ممکن ہے اس نے بُرے دنوں کے لیے کافی کچھ بچا رکھا ہو۔ اگر ان کو دیوار کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے تو وہ ضرور ان کا استعمال کریں گے ان ہتھیاروں کے مقابلے کے لیے اعلیٰ فوجی مہارت کی ضرورت ہوگی جو اس وقت عراقی اپوزیشن کے پاس موجود نہیں امریکہ کو اس کے لیے ابھی سے تیاری کرنی چاہیے۔

## تین راستے

عراقی اپوزیشن کی حمایت کے ساتھ ساتھ امریکہ کو تین متبادل راستوں پر غور کرنا چاہیے یعنی ۱۔ فوجی بغاوت ۲۔ شیعوں کا غلبہ ۳۔ عراق کی تقسیم

### ۱۔ فوجی بغاوت کے بعد

یہ تو طے ہے کہ امریکہ ہر قسم کی فوجی بغاوت کی حمایت کرے گا لیکن اسے یہ دیکھنا ہوگا کہ آئندہ قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی۔ بغاوت کے نتیجے میں قائم حکومت کو درج ذیل موافق اقدامات کرنے ہوں گے۔

- دہشت گردی اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا خاتمہ
- کویت پر دعوے داری سے دست برداری کا اعلان
- علاقے میں واقع امریکی اتحادیوں کے خلاف اقدام نہ کرنے کا وعدہ۔ خاص طور پر ترکی کے اندر کُردوں کی حمایت سے دست برداری۔

امریکہ کو نئی انقلابی حکومت میں حزب مخالف کا حصہ بھی متعین کرنا ہوگا۔ اگر فوجی بغاوت کے بعد نئی قیادت بھی صدام حسین کے نقش قدم پر چلنے لگی تو پھر امریکہ کو ایک نئی بغاوت کی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔

### ۲۔ شیعوں کا غلبہ

اگر عوامی یورش کامیاب ہوتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ شیعوں کا غلبہ ہوگا کیوں کہ نہ صرف یہ کہ عراق

میں شیعہ مسلک کی اکثریت ہے بلکہ فوج کی صفوں میں بھی ان کا غلبہ ہے۔ فوج کے اندر شیعوں کو صدام حسین کے خلاف اُکسانا اپوزیشن کی پالیسی کا جزو ہونا چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ شیعوں کی حمایت سے امریکہ کے علاقائی حلیفوں خصوصاً سعودی عرب میں تشویش کی لہر دوڑ سکتی ہے جنہیں ایران کی انقلابی حکومت کا تلخ تجربہ پہلے سے ہو چکا ہے۔ وہ خلیجی ممالک تو ضرور پریشان ہوں گے جن کے ہاں شیعہ آبادیاں قائم ہیں جیسے کہ بحرین، کویت اور سعودی عرب کا مشرقی علاقہ۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ عراق کی شیعہ حکومت ایران کے نقشِ قدم پر چلے یا اس کے زیر اثر آ جائے۔ عراق کے شیعہ پہلے ہی ایران کے خلاف جنگ میں بے جگری سے لڑے ہیں۔ عربوں اور ایرانیوں کے لسانی اختلافات اور دیگر اقتصادی حقائق کی روشنی میں یہ امکان کم ہے کہ نئی حکومت ایران کے زیر اثر ہو۔ شیعہ حکومت کے قیام کے بارے میں واشنگٹن میں انجانا خوف پایا جاتا ہے لیکن اس بارے میں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ عراق کی آبادی کی اکثریت شیعوں پر مشتمل ہے اس لیے اس مسلک کی حکومت کا قیام نمائندہ حکومت کی جانب ایک اہم قدم ہوگا۔

## ۳۔ عراق کی تقسیم

عراق حزب مخالف کی حمایت کر کے امریکہ عراق کی تقسیم میں معاونت کر رہا ہے۔ اگر صدام حسین کی مرکزیت کمزور ہوتی ہے تو اس سے لامحالہ نتیجہ یہ ہوگا کہ علاقائی، مذہبی اور نسلی تعصبات کو ہوا ملے گی لہذا اپوزیشن اس مقصد کے لیے ضرور کام کرے گی۔ لیکن یہ امکان اپنی جگہ ہے کہ اپوزیشن اس وقت صدام کے مقابلے میں متفق ہے تاہم اس کے زوال کے بعد اس کے مختلف گروہ آپس میں دست و گریبان ہو سکتے ہیں۔ عراق کا سقوط انسانی حقوق کے حوالے سے بھی خطرناک نتائج کا حامل ہوگا۔ عراق جتنی زیادہ ریاستوں میں تقسیم ہوگا وہ سب باہمی تنازعات کی وجہ سے آپس میں لڑیں گے جیسا کہ افغانستان، صومالیہ اور دیگر ممالک میں ہوا۔ عراق کی تقسیم سے علاقے میں بے چینی پھیلے گی جس کے نتیجے میں ایران اور ترکی کے اندر نسلی فسادات کی آگ بھڑک سکتی ہے۔

## سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے

عراقی اپوزیشن کی حمایت سے خطے میں موجود اتحادیوں سے امریکہ کے تعلقات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ اپوزیشن کی کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں امریکہ کے لیے مشکلات پیدا ہوں گی۔ چنانچہ اس نئے منصوبے کا ہر پہلو سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ اہم کام علاقے کے اتحادیوں کو اعتماد میں لینا ہے۔ ترکی کئی حوالوں سے امریکہ کا اہم ترین حلیف ہے لہٰذا عراقی حزب مخالف کی حمایت سے وہ ناراض ہوتا ہے تو یہ گھاٹے کا سودا ہوگا۔ اسی طرح شیعہ حکومت کے قیام کے حوالے سے سعودی عرب کی رضامندی از بس ضروری ہے۔ ان کے علاوہ خفیہ مذاکرات کے ذریعے ایران کی حمایت حاصل کرنے بھی کوشش ہونی چاہیے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ امریکہ مستقبل کی عراقی حکومت سے جمہوریت کے قیام کا مطالبہ شدت سے نہ کرے کیوں کہ ماضی کی اکثر عراقی حکومتیں شخصی اور اشرافیہ میں سے رہی ہیں اس لیے پہلے مرحلے پر ایسا مطالبہ خوش فہمی پر مبنی ہوگا اس پر مستزاد یہ کہ ایسے مطالبے سے فوجی بغاوت پر آمادہ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو گی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ امریکہ جمہوری مطالبے سے یک سر دست بردار ہو جائے۔ حقیقت پسندی یہ ہے کہ امریکہ حزب مخالف کے اندر جمہوریت پسند گروہوں کی حمایت کر کے باقیوں کو باور کرائے کہ اس کی نظر میں سیاسی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری اہم امور ہیں۔ امریکہ کو فوجی بغاوت اور عوامی یورش کے امکانات کا بیک وقت جائزہ لینا چاہیے۔ اگر اس کے سراغرساں ادارے سمجھتے ہیں کہ فوجی بغاوت فی الحال ممکن نہیں تو پھر تمام تر توجہ حزب مخالف کی مدد سے تبدیلی لانے پر مرکوز ہونی چاہیے لیکن اگر ان کے خیال میں فوجی بغاوت ممکن ہے تو پھر اپوزیشن کی حمایت کی رفتار کم کر دینی چاہیے۔ امریکہ کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تحدید اور اپوزیشن کی موجودہ حمایت کی پالیسی ایک دوسرے پر متبادل نہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں۔ تحدید کے ذریعے عراق کی کمر توڑنا ضروری ہے اگر تحدید ختم ہوتی ہے تو اس سے صدام حسین کا وقار بلند ہوگا۔ آخری بات یہ کہ اگر امریکہ نے نئی پالیسی کو احتیاط کے ساتھ آگے نہ بڑھایا تو نہ صرف یہ کہ ممکنہ فوجی بغاوت کا راستہ بند ہوگا بلکہ امریکہ سفارت کاری اور مسلح افواج مشکلات کا شکار ہوں گی۔ امریکہ کی تھوڑی سی بے احتیاطی صدام حسین کے اقتدار کو طول دینے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔